

اسلام کا معاشی نظام

مولانا شمس الحق افغانی (تمغہ امتیاز)

سابق وزیر معارف و اوقاف و تعلیم، سابق ممبر بلوچستان، حال شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

مولانا ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر زیارت حسین شریفین اور بلاذریہ کی سیاحت کو تشریف لے گئے، وہاں تقریباً دس ماہ مکتبہ حمیدیہ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ واپسی پر دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے۔ اور پانچ سال درس تفسیر دیا۔ نراں بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت میں صدر المدرسین مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے قائم مقام بنائے گئے، آپ گیارہ سال تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات میں بچہ دہ وزارت معارف شرعیہ فائز رہے۔ اب ۱۹۶۲ء سے محکمہ اوقاف اکیڈمی کوشہ اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شیخ التفسیر ہیں۔ مولانا موصوف کی تصانیف سے معین القضاة و المتقین (عربی)، شرعی ضابطہ دیوانی اُردو، دین فطرت، عالمگیر مذہب، ترقی اور اسلام اور سولزم اور اسلام چھپ چکی ہیں۔ اور التفسیر الشذی شرح جامع الترمذی اور علوم القرآن زیر طبع ہیں۔

مولانا کے پر داد مولانا سعد اللہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے خلیفہ تھے اور جنگ اکوڑہ

میں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ (مدیر)

اعتدالیت | اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے معاشی نظام میں بھی فطرت

انسانیہ کا لحاظ رکھا۔ اور تمام فطری امور کو اپنی حالت پر رہنے دیا۔ البتہ جہاں کہیں ان میں کجی، زلیخ اور بے اعتدالی واقع ہوئی تھی، اس کا ازالہ کر کے اس کو اعتدال پر لایا گیا۔ اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف اکتنازیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریات میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرت انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا، کیونکہ یہ دونوں نظریات جذباتی تھے اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی

لے یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی کے لئے لکھا گیا۔ مدیر

لازمی ہے، اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافق فطرت رکھا کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی۔ اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تمام خامیاں بھی اس میں دور کی گئی ہیں۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں ان تمام دروازوں کو بند کیا جن سے عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتی تھی۔ جن سے سرمایہ دار غریب طبقے کا خون چوستے تھے اور ان تمام امور کی بھی مخالفت کی گئی، جن سے انسانی حریت اور شرافت اور خود مختارانہ جوش عمل پر برا اثر پڑتا تھا۔ مال کے سکون کو اس نے حرکت میں تبدیل کیا۔ غرباء میں امراء کے خلاف حسِ عدوانی کو تیز کرنے کی بجائے حسِ ایمانی اور اخلاقی کے ذریعہ دونوں میں محبت کا ربط قائم کر کے فقراء کے حقوق کو محفوظ کیا گیا۔ بجائے غیر فطری مالی مسادات کے امراء اور غرباء میں اکتسابِ رزق میں قانونی مسادات کو قائم کیا۔ قوانین عدلیہ میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابر رکھا۔ اور ایسے امور میں جو انسانی جدوجہد کی پیداوار نہیں اور جن پر انسانی سعی و عمل اور محنت کے ذریعہ سے جائز طریقے سے بالذات یا بالواسطہ کسی انسان کا قبضہ نہ ہوا ہو، ان کو سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا۔

یہ دُہ دس اصول ہیں، جن پر اسلام کے معتدل معاشی نظام کی عمارت قائم ہے۔

اُمورِ فطریہ انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا | کیونٹ معاشی نظام میں غیر فطری مصنوعی مالی مسادات ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام میں غیر فطری تفاوت ہے۔ اسلام نے اعتدال قائم کیا اور

اور اشتراکی بے اعتدالی کی تردید

دونوں کی تردید کی مصنوعی مسادات کی تردید کی کہ وہ خلاف فطرت ہے۔ جب تک انسان نے دولت کی تخلیقی قوت میں فرق رکھا ہے۔ اور سب انسانوں کی فکری اور دماغی قابلیت برابر نہیں اور نہ عملی قوت یکساں ہے تو انہی دو قوتوں کے فطری تفاوت کی وجہ سے انسانی طبقات میں مالی تفاوت کا رونما ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور دماغی قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے تمام ملازم طبقوں کی تنخواہ یکساں نہیں۔ نہ تمام تاجروں کی آمدنی برابر ہے۔ اور نہ تمام اربابِ صنعت و حرفت کی کمائی برابر ہے۔ کیوں کہ فکر و عمل کی قوت برابر نہیں۔ اس لئے فطری تفاوت کے ثمرات و نتائج کو اپنی اصلی فطری حالت کے مطابق قائم رکھنا معتدل ہے۔ اور اس فطری تفاوتِ مال کے خلاف جدوجہد و تحقیق فطرت کے خلاف جنگ ہے، جس کو کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے اسلام نے اس فطری تفاوت کو برقرار رکھا۔ امراء و غرباء کے

دونوں طبقوں کا وجود تسلیم کیا۔ امراء کے طبقے پر ایسی پابندی عائد کی کہ غریب طبقے کے حقوق بھی محفوظ رہیں اور امراء اپنے فطری حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔ یہ پہلی اعتدالیت ہے۔

سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور | امراء پر اسلام نے حسب ذیل پابندیاں لگائیں
 امراء و غریبوں کے حقوق کی حفاظت | تاکہ اعتدال پیدا ہو کر غریب طبقے کے حقوق محفوظ

ہو جائیں۔

- ۱: امیر طبقہ حدود فطرت و شریعت سے تجاوز کر کے سود کے ذریعہ مال میں اضافہ نہ کرے۔ بلکہ اس کے برخلاف غریب طبقے کی قرض حسنہ کے طور پر امداد کرے۔
- ۲: رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال نہ کمائے۔
- ۳: سرمایہ دار طبقہ وسائل رزق پر مثلاً تجارت، صنعت، کارخانہ سازی، زمینداری، ٹھیکہ داری اور ملازمت پر صرف دولت کے اثر سے اپنا قبضہ جما کر غیر سرمایہ دار طبقے کو محروم نہ کرے تاکہ ان وسائل سے غیر سرمایہ دار طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ اور فطری تفاوت اپنے حدود میں رہے تاکہ وہ قاننیت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ ورنہ بجائے فطری تفاوت کے قارونی تفاوت رونما ہوگا۔ اور تمام وہ مفاسد اور خرابیاں رونما ہوں گی، جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ لازمہ ہے

۴: امراء کے اموال میں فقراء طبقے کے جو حقوق ہیں، اسلام نے قانون زکوٰۃ و عشر و خراج و دیگر صدقات کے ذریعہ امراء کو فقراء کی حاجت روائی کے لئے جواب دہ قرار دیا تاکہ ہر سال امراء کے مال سے مناسب حصہ فقراء کو منتقل ہو کر فطری تفاوت اپنی حد کے اندر رہ کر بڑھنے نہ پائے۔

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اکنٹناری اور اکنٹناری اور سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے
 اشتراکی معاشی نظاموں کی خامیوں کا ازالہ کیا | بڑی خرابی سودی کاروبار ہے۔ اسلام نے

ہر قسم کے سود کو مفرد ہو یا مرکب، حرام قرار دیا۔ اور صرف اصل قرضے کی وصولی کی اجازت دی۔ ارشاد ہے:
 وَإِنْ تَبَيَّنَ فَلَكَمُ رُؤْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلَمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ۔ اگر تم سود سے تو بہ کرو گے تو تم کو
 صرف اصل قرضہ ملے گا نہ تم ظلم کرنے کے مجاز ہو کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی زائد لو اور نہ تم پر ظلم کیا
 جائے گا کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی کم ملے۔ (قرآن) اسی طرح سورہ بقرہ پلے میں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ اے ایمان دارو! اللہ سے ڈرو اور

چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو اللہ کے فرمانے پر یقین ہے۔ اسی طرح احل اللہ البیع و حرم الربوا۔ حلال کیا خدا نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔ ان تینوں آیات میں اللہ نے سرمایہ داری کے بنیادی نقص کو دور کیا اور سود کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا۔ خواہ اضعا فاضعا ہو یا کم، چاہے ایک چوٹی فی صد ہو۔ البتہ عرب میں ڈبل سود کا بھی رواج تھا، جو سود کی بدترین شکل تھی۔ جب بھی میعاد پر قرضہ ادا نہ ہوتا تھا تو میعاد کے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ سود کی رقم دو گنی سرگنی تک پہنچ جاتی۔ اس کو قرآن نے خصوصی طور پر حرام کیا۔ ولات تأکلوا الربوا اضعا فاضعا میں یہی شکل سود کی مراد ہے۔ الغرض قرآن نے سود کے تمام اقسام کے دروازے بند کر دیئے۔ اور سونوار کو ایسی شدید دھمکی دی گئی کہ قرآن میں کسی اور جرم پر ایسی دھمکی نہیں دی گئی۔ فرمایا: فان لم تفعلوا فاذلوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اگر سود نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے۔ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم۔ اگر سود سے توبہ کرو تو صرف قرض لینا ہو گا۔ نہ اس سے زیادہ چاہے ایک پائی ہو۔ اس سے بعض مغرب زدہ لوگوں کی تحریف قرآنی کی حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن نے عمومی سود کو بھی حرام کیا۔ اور ایک مخصوص صورت کو بھی جو بیعہ ترمختی اس کی حرمت کو بھی خصوصیت کے ساتھ ممنوع قرار دیا۔ ورنہ قرآن کے مضامین میں تعارض لازم آئے گا۔ فلکم رؤس اموالکم والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وذر واما بقی من الربوا والی آیت سود کا جو بھی باقی ماندہ مطالبہ ہو، اس کو حرام قرار دیتی ہے۔ اب اگر حرمت صرف ڈبل سود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہو گا۔ اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب آیتوں پر عمل ہو گا۔ اور کوئی آیت متروک العمل نہ ہے گی۔ یہی معنی تقریباً چودہ سو سال سے ماہرین قرآن نے سمجھے۔ قرآن میں لفظی اور معنوی تو اترو دونوں ہیں۔ جس طرح الفاظ قرآن تو اترو سے ثابت ہیں۔ اور ان کو زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح قرآن کے واضح مطالبہ بھی متواتر ہیں کسی زمانے میں بھی ان متواتر معانی اور مطالبہ میں تبدیلی و تحریف کی گنجائش نہیں۔ خواہ ربوا یا سود ہو یا صوم و صلوٰۃ یا حج و زکوٰۃ یا دیگر مطالبہ متواترہ۔ اگر بالفرض مطالبہ قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ ہے۔ اور یہ کس ناکس جب چاہے اس کو تبدیل کر سکتا ہے تو پھر الفاظ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی۔ کیوں کہ حفاظت الفاظ کی غرض حفاظت مطالبہ و معانی ہیں۔ اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف

لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

حُرْمَتِ مُتَجَرَّبِي نَهِيں | حُرْمَتِ اَشْيَاءِ فِيں اِسْلَامِي ضَابِطِ يَهِي هِي كِه اِس فِيں تَقْيِيں وَكْثِيْر كِي لِحَاظِ سِي

تَفَادُتِ نَهِيں هُوْتَا كِه تَقْيِيْر سُوْد حُرَامِ هُو اُوْر تَقْيِيْلِ جَائِزِ هُو۔ چُوْرِي كَثِيْر وَتَقْيِيْلِ دُوْنُوں حُرَامِ هِيں۔ ڈَاك كِي ذَرِيْعِيْ تَقْيِيْلِ وَكْثِيْر مَالِ حَاصِلِ كِرْنَا دُوْنُوں صُوْرَتُوں فِيں حُرَامِ هِي۔ مُرُوْدِ كِهَا تَقْيِيْلِ وَكْثِيْر دُوْنُوں نَا جَائِزِ هِي۔ لِهٰذَا سُوْدِيں يِه حِدْبَنْدِي كِه سُوْد مَفْرُوْدِ حَلَالِ هُو اُوْر سُوْد مَرْكَبِ حُرَامِ هُو، عَقْلِ وَنَقْلِ دُوْنُوں كِي عِلَافِ هِي۔ الْغَرَضُ جُوْ چِيْزِ مَدَارِ عِلْمِ هُو۔ نَوَا هِي وَه كِه هُو يَزِيَادِه، اِس سِي عِلْمِ كِي تَبْدِيْلِي نَهِيں هُوْتِي۔ شَلَا چُوْرِي حُرَامِ هِي۔ اُوْر حُرْمَتِ كَا مَدَارِ اِس كَا چُوْرِي هُو نَا هِي۔ اَبِ چُوْرِي تَهْوِيْرِي هُو يَزِيَادِه، دُوْنُوں صُوْرَتُوں فِيں حُرَامِ هِي۔ اِس فِيں كِه وَبِيْشِ، تَقْيِيْلِ وَكْثِيْر كَا عِلْمِ اِيكِي هِي هُو كَا كِه سَبِ صُوْرَتِيں حُرَامِ هُوْنِ كِي۔ اِسِي طَرَحِ مُرَارِ حُرَامِ هِي بِنَحْوِيْرِ كَا گوْشِ، اَنَشْ اُوْر چِيْزِ حُرَامِ هِي۔ ڈَاك كِه حُرَامِ هِي۔ غَضَبِ اُوْر ظَلْمِ حُرَامِ هِي۔ اِنِ سَبِ فِيں كِه وَبِيْشِ، تَقْيِيْلِ وَكْثِيْر كَا اِيكِي هِي عِلْمِ هُو كَا۔ اُوْر سَبِ صُوْرَتِيں حُرَامِ هِيں، جِس كِي وَجِيْرِي هِي كِه شَرِيْعَتِ كِسِي چِيْزِ پُر فَسَادِ كِي وَجِيْرِي سِي حُرْمَتِ كَا عِلْمِ لِكَا تِي هِي۔ اُوْر فَسَادِ نَوَا تَقْيِيْلِ هُو يَكْثِيْر دُوْنُوں وَاجِبِ الْاِبْتِنَابِ هِيں۔

دِيْنِ فِيں اِس قِسْمِ كَا تَجْدِيْدُ، تَجْدِيْدِ اِصْلَاحِ نَهِيں، تَجْدِيْدِ فَسَادِ هِي اُوْر تَقْيِيْدِ فِرْيَنِيْ كَا بَهَانِ هِي۔ بِقَوْلِ اِقْبَالَ

مُحَسُّوْں يِه هُوْتَا هِي كِه اَدَاوَهٗ تَحْدِيْدِ مَشْرُقِ فِيں هِي تَقْيِيْدِ فِرْيَنِيْ كَا بَهَانِ

مُسْلِمِ اُوْر حُرْبِي، عِبْدِ اُوْر مَوْلِيٰ فِيں | بَعْضِ مَغْرَبِ زُوْدِه اِسْتِدْلَالِ پِيْشِ كِرْتِي هِيں كِه فَقْهِ فِيں مُسْلِمَانِ

جَوَازِ رُبُوْ نَهِيں بَلْ كِه عَدَمِ وَجُوْدِ رُبُوْ هِي | اُوْر حُرْبِي، مَوْلِيٰ اُوْر غِلَامِ كِي دَرْمِيَانِ رُبُوْ كِي صُوْرَتِ كُو جَائِزِ

قَرَارِ دِيَا كِي هِي، يِه عِلَطِ هِي۔ اِنِ دُوْنُوں صُوْرَتُوں فِيں فَقْهِ نِي جَوَازِ رُبُوْ كَا فَتْوِيٰ نَهِيں دِيَا بَلْ كِه رُبُوْ كِي وَجُوْدِ سِي اِنْكَارِ

كِيَا۔ يِعْنِيْ اِنِ دُوْنُوں صُوْرَتُوں فِيں رُبُوْ شَرْعِي مَتَحَقَّقِ نَهِيں۔ نِه يِه كِه رُبُوْ شَرْعِي مَتَحَقَّقِ هِي لِيكِنِ جَائِزِ هِي۔ اِنِ

دُوْنُوں صُوْرَتُوں فِيں اَسْمَانِ وَزَمِيْنِ كَا فَرْقِ هِي۔ رُبُوْ كَا شَرْعِي مَشْهُومِ يِه هِي كِه بِلَا عَوْضِ مَقَابِلِ كِسِي دُوْسَرِي

شَخْصِ كَا مَعْصُوْمِ مَالِ حَاصِلِ كِيَا جَاوِي۔ عِبْدِ اُوْر مَوْلِيٰ فِيں اِكْرُ كُوْ كِي اِيْسَا تَبَادُلِ هُو جَاوِي كِه مَوْلِيٰ نِي غِلَامِ كِي

بَا تَهْتِه سِي دُوْر پِيءِ اِيكِي رُو پِيءِ كِي عَوْضِ فِيں لِيءِي تُو چُوْنِكِه عِبْدِ اُوْر غِلَامِ كِي وَه دُوْر پِيءِ دِي وَحَقِيْقَتِ نُوْدِ

مَوْلِيٰ كِي هِيں اِس لِيءِي دُو مَالِكُوں فِيں تَبَادُلِ نَهِيں هُوَا۔ بَلْ كِه يِه اِيْسَا هُوَا كِه اِيكِي مَالِكِ نِي كِسِي شَخْصِ يِعْنِيْ غِلَامِ

كِي پَاسِ اِيكِي رُو پِيءِ بِلَطُوْر اِمَانَتِ رَكْهَا۔ اُوْر دُوْر پِيءِ اِنِيءِي جُو اُس كِي پَاسِ تَهْتِه وَه وَاپَسِ لِيءِي لِيءِي۔

اِسِي طَرَحِ حُرْبِي كَامَالِ مَبَاحِ هِي۔ شِكَاارِ اُوْر صِيْدِ كِي طَرَحِ اِس كِي مِلْكِيَّتِ نَهِيں۔ مَالِكِ حَقِيْقِي نِي اِس كِي مِلْكِيَّتِ

کو ختم کیا ہے۔ اب صرف قبضہ ہی فیصلہ کن ہے۔ جب حربی کے مال پر قبضہ کیا گیا تو یہ ایسا ہے جیسے شرکاء پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بھی دو مالکوں میں تبادلہ نہیں۔ یہی لازم ہے کہ فقہاء نے ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ يجوز الرزق بین المسلم والحربی بین العبد ومولاہ بلکہ یوں تعبیر کی کہ لا رزق بین المسلم والحربی ثم ولا بین العبد ومولاہ۔ یعنی دونوں صورتیں سرے سے رتبہ نہیں۔ اور نہ رتبہ کا شرعی مفہوم ان میں موجود ہے۔

اسلام نے الکنزیت اور احتکارت اور
وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا۔ اور
اشترکیت کے خلاف شخصی حریت کو برقرار رکھا

خرچ نہیں کرتے، اُن کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (قرآن)۔ الذی جمع مالا و عذرا یحسب ان ماله اخلده کلا لیبذن فی الحطمة۔ جو لوگ مال جمع کرتے ہیں۔ اور گن گن کر اس کو رکھتے ہیں ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (قرآن)۔ صحیح مسلم میں معمر مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں۔ من احتکر فهد خا طی جو انسانی خوراک کو گرانہ کی نیت سے ذخیرہ کرے، وہ مجرم ہے۔ قرآن نے یہ ارشاد فرما کر ایک طبقہ کے انسانی ذرائع معاش پر قبضہ کرنے کو رد کیا۔ سلق لکم ما فی الارض جمیعا وجعلنا لکم فیہا معایش یعنی زمین کے تمام ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا حق ہے۔ ہر انسان اپنی فطری قوت و فکر و عمل سے اکتساب رزق حلال اور اضافہ ملکیت شخصی میں حدود شریعت کے اندر رہ کر آزاد ہے۔ اور مالدار کی فطری تفاوت عین فطرت و حکمت ہے۔ نحن قسما بینہم معیشتهم ورفعا بعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضہم بعضا سخریا۔ ہم نے فطرتاً اکتساب معیشت کی قوتیں انسانوں میں تقسیم کی ہیں۔ اور اُن میں اونچ نیچ رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنے کاموں کے لئے استعمال کر سکیں۔ اور ان میں الفت اور نظم قائم ہو تاکہ نظام عالم درست رہ سکے۔

حکمت تفاوت مالی | جس حکمت کی طرف قرآن نے اجمالی اشارہ کیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نظم بشری اور جماعت بشریہ کی تالیف ایک اہم نصب العین ہے۔ انسانی فطرت دیگر حیوانات کے برخلاف اجتماعیت کی مقتضی ہے۔ ہر حیوان مجزئ انسان کے الگ تھلگ رہ سکتا ہے۔ لیکن انسان

مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے اجتماعیت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی انفرادی صورت میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان کو کپڑے کی ضرورت ہے تاکہ رفع حر و قری یعنی گرمی اور سردی سے بدن کی حفاظت کر سکے۔ کپڑا سوت سے بنتا ہے۔ لہذا اس کو ایک مزارع کے تعاون کی ضرورت ہے کہ وہ کپاس کاشت کرے۔ پھر اس کو کپاس میں سے روئی اور بولے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لئے ایک اور معاون کی ضرورت ہے۔ روئی کو کات کر دھاگہ بنانے کے لئے وہ کاتنے والے کا محتاج ہے۔ دھاگہ حاصل ہونے کے بعد اس کو جو لا ہے کی ضرورت ہے کہ کپڑا تیار کرے۔ سینے کے لئے اس کو درزی اور رنگانے کے لئے رنگ ساز کی ضرورت ہے۔ اس پوری جماعت کے تعاون کے بعد وہ کپڑے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اونی اور ٹسری کپڑا ہو یا عورتوں کے لئے لٹھی کپڑا تو ان سب میں ایک انسان کو دیگر متعدد انسانوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک انسان خود تنہا یہ سب کام انجام نہیں دے سکتا۔

اسی طرح انسان کو مکان کی بھی ضرورت ہے، جس میں اینٹ، چونہ، پتھر اور سیمینٹ حاصل کرنے کے لئے اس کو دوسرے انسانوں سے مدد لینی پڑتی ہے۔ لکڑی کے کام کے لئے بڑھئی اور نجار اور لوہے کے کام کے لئے لوہار، تعمیر کے لئے معمار اور مزدور کی ضرورت ہے، جب کہیں جا کر مکان تیار ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس خوراک کی فراہمی کے لئے غلہ کاشت کرنے والا، پیسنے والا، توایا نور بنانے والا، ہنڈیا تیار کرنے والا، لکھی اور مصالحہ فراہم کرنے والے کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگہ صاف کرنے کے لئے جھنگی۔ حجامت کرنے کے لئے حجام اور کپڑے دھونے کے لئے دھوبی کی ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی کا نقشہ انفرادی نہیں، اجتماعی ہے۔ اور انسان کا یہ اجتماعی نظام حیات حاجت پر مبنی ہے۔ اسی حاجت کی وجہ سے افراد انسانی میں ربط، جوڑ اور نظم قائم ہے۔ اگر سب انسان، الداری میں برابر ہوں تو ایک انسان دوسرے سے کس طرح کام لے سکے گا۔ مثلاً اگر مساوی انسانوں میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ میری محتاج بناؤ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم میری حجامت بناؤ۔ میں تم سے کس بات میں کم ہوں۔ یا یہ کہے کہ میرے کپڑے دھو ڈالو تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میرے کپڑے دھو لو، کیونکہ ہم دونوں برابر ہیں۔ تلی سے کہا جائے کہ یہ صندوق اٹھاؤ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیوں اٹھاؤں۔ مجھے اٹھانے کی حاجت نہیں تم خود اٹھاؤ۔ بہر حال کام لینے کے لئے تفاوت کا وجود ضروری ہے کہ کام لینے والا کام کا محتاج ہو اور کام کرنے والا اُجرت اور پیسے کا محتاج ہو۔ اسی طرح عمل اور مال میں تبادلہ ممکن ہو سکے گا۔ اور اگر مال یکساں ہو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں۔

ہر انسان کو اپنا کام اور عمل خود کرنا پڑے گا۔ اور انسانوں کی ربط باہمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مدارِ ربط حاجت ہے۔ یہ قدرت کا عجیب انصاف ہے کہ ربط قائم کرنے کے لئے مالی تفاوت کی ضرورت تھی تاکہ کم مال والا، مالدار کے لئے کام کر کے مال کما سکے۔ لیکن اگر حاجت صرف عامل کی طرف سے ہوتی تو مالدار فرعون بے سامان بن جاتا۔ لہذا قدرت نے دو طرفہ حاجت کا نظام قائم کیا ہے۔ عامل اور مزدور کو مال کی حاجت ہے اور مال دار کو قدرت نے عمل کا محتاج بنایا تاکہ دو طرفہ حاجت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا محتاج رہے۔ اور کسی میں شانِ استغناء اور بے نیازی پیدا نہ ہو کہ کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کر سکے۔

جوشِ عمل کے لئے | اسلام نے شخصی ملکیت کو برقرار رکھ کر مالکانِ ملکیت کے تحفظ کو دور کر کے حریت کی ضرورت | ان میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ اور ان کو حیوانیت سے اٹھا کر مقامِ شرفِ انسانیت پر پہنچایا تاکہ وہ نظامِ اشتراکی کی طرح حکومت کے لئے مشین بن کر کام نہ کریں بلکہ ایک مالک یا اختیار کی طرح سعی و عمل میں مصروف رہیں۔ اشتراکی معاشی نظام میں انسان دیگر انسانوں پر خدائی قائم کرتا ہے۔ اور اس کی تمام قوتوں کو خود مختار نہ نہیں بلکہ اپنے منشاء کے مطابق استعمال کرتا ہے جس سے وہ انسان نہیں رہتا۔ بلکہ حکومت کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا دانت لیس

للا انسان الا ماسعی وان سعید مسوف یروی۔ کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے آزاد استفادہ کرنے کا مالک ہے اور جو کچھ اپنی سعی سے کمائے گا۔ اس کو وہ دیکھ پائے گا۔ وھل تجزون الا ما کنتم تعملون۔ انسان کو اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔ یہ قانون انسان کے ذیوی و اخروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ اشتراکی انسان سے جانور کی طرح کام لے کر اُسے گھاس چارہ کھلاتا ہے جو انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے۔

حرکتِ دولت | سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی، اس سے دوسرے لوگوں میں غربت اور افلاس رونما ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کہ اگر ایک شخص کے بدن کا خون چند اعضاء بدن میں یا ایک عضو میں بند ہو کر رہ جائے۔ اور دوسرے اعضاء کی طرف گردش نہ کرے تو وہ اعضاء یقیناً مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔

ایک شخص کے لئے خون اور جماعت بشری کے لئے دولت یکساں طور پر موادِ حیات ہے۔ قرآن نے پہلے اس بنیادی اصول کا اعلان کیا۔ لکھی لایکون دولة بین الاغنیاء منکرہ کہ تقسیم سب میں اس لئے ضروری ہے کہ مال صرف اغنیاء کے طبقے میں گردش نہ کرنے پائے۔ یہ تو اس بنیادی اصول کا اعلان تھا۔ لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام نے اصلاحِ معاش کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے، جن سے حرکتِ دولت پر عمل ہو۔

۱۔ اندرونِ زمین جس قدر دولت ہے۔ خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا، ان میں فقہ اسلامی کے تحت چھ یعنی خمس فقراء کو دلوا یا تاکہ گردشِ دولت کی تکمیل ہو۔ (فتح القدیر باب الخمس)۔ یہ تو معدنیاتِ باطنہ کا حال ہے جو محنت و مشقت کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیاتِ ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے۔ کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷)

۲۔ زمین کی ایسی پیداوار جس کی آب پاشی میں تکلیف نہ ہو۔ اس میں فقراء کے لئے دسواں حصہ ہے۔ ماسقته السماء اذ کان عشویا ففیہ العشر (صحیحین عن ابن عمر) جو زمین بارش سے سیراب ہو یا دریا کی نمی سے نشوونما پائے، اس کی پیداوار میں فقراء کا حق دسواں حصہ ہے۔

۳۔ جو زمین رہٹ، ڈول، ٹوب و ویل سے سیراب ہو، اس کی پیداوار میں فقراء کا بیسواں حصہ ہے۔

۴۔ نقد اور اموالِ تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گزرنے کی شرط پر فقراء کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد کا حق ثبات ہے۔ تقریباً اسی کے لگ بھگ انس موسیویوں میں بھی فقراء کے لئے زکوٰۃ کا حصہ مقرر ہے جس کی تفصیل فقہ میں ہے۔ مثلاً پانچ اوٹوں میں ایک بکری یا اس کی قیمت۔ چالیس بکریوں یا دنبوں میں جو چکر پتے ہوں، ایک بکری یا ایک دنبہ یا اس کی قیمت۔ گائے، بیل اور بھینس اگر تیس ہوں۔ تو یک سالہ بچہ۔ چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ۔

قانونِ استحقاقی۔ فقراء نوازی جس اخلاقی | اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کے ذریعہ نہ جس عدوانی کے ذریعہ کے شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس قدر مال ناموجود ہو وہ قانونِ استحقاقی کے تحت سب فقراء میں تقسیم ہو۔ ویسے ملونات ماذا ینفقون

قتل العفو۔ آپ سے لے پیغمبر! پوچھتے ہیں فقراء پر کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں۔ علیؑ سے روایت فقراء پر برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہے کہ اللہ نے اغنیاء پر ضروریات فقراء کو فرض ہیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں قرار دیا ہے۔ اگر فقراء بھوکے اور تنگے ہوں اور

اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور نرا دے گا۔ ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لے کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور ابن سو صحابہ نے توشہ جمع کر کے سب پر برابر تقسیم کیا۔ جن کو دو توشہ دانوں میں جمع کر کے برابر بقدر قوت سب کو دیتے ہے۔ عربی عبارت یہ ہے:۔ عن علی ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالہم بقدر ما یکنی فقراء فان جا عوا او عروا و جہدوا بالمنع الاغنیاء فحق علی اللہ ان یما سیہم یوم القیامۃ و یعذلیہم و عند الحاجہ یقسم المال علی السواء صحیح عن ابی عبیدۃ بن الجراح و ثلاث مائۃ من الصحابۃ ان زادہم نفی فجمعوا ازوادہم فی مزدین و جعل بقوتہم علی السواء نہذا اجماع مقطوع بہ من الصحابۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۵)۔ پھر اسی طرح ابو سعیدؓ کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔ عن ابی سعید مرفوعاً من کان معہ فضل ظہر فلیعده من لا ظہر و من کان معہ فضل زاد فلیعده من لا زاد لہ قال فذکر اصنافاً من المال حتی رؤینا انہ لاحق لنا فی الفضل فضول اموال الاغنیاء فقسم ما علی فقراء المهاجرین و هذا فی غایۃ الصحیح و الجلالۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۵)۔ ابو عبیدہ بن الجراح کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے جن میں اکثر کے پاس توشہ یعنی زاد راہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے جن کے پاس زاد راہ تھا، اُن سے لے کر سب پر برابر تقسیم کیا۔ اور صحابہ میں سے کسی نے اُن کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ ابو عبیدہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور سان رسالت سے آپؐ کو امین امت کا خطاب ملا ہے۔ ابو سعیدؓ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو، وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس زاد راہ زائد موجود ہو وہ اس کو دے دے، جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی کئی

ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو، اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (در المعنی ج ۶ ص ۱۸۵) حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا، اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا۔ تو میں دولت مندوں سے ضرورت سے زائد اموال لے کر فقراء مہاجرین پر تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے۔ قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراک کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُر محبت و خلوص ہوگی۔ اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے، جو اشتراک کی نظام میں موجود ہیں۔ مولانا عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب میں نے صرف اس ایک آیت لیسئلونک ماذا یففقون قل العفو کا ترجمہ لینے کو سُنایا تو جوش میں آ کر اُس نے کہا کہ اگر ہم پہلے اس سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہر حال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ایک جبری قانون ہے۔ لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبہ اخوت کے تحت رضا کارانہ طور پر عمل میں لایا جائے تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔

قانونی مساوات اور امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ غضب کرتے ہیں۔ شاہ و گدا کی برابری اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہو جاتا ہے۔ اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کر کے اس خامی کو دور کیا۔ اور شاہ و گدا کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔ زبانی دعویٰ تو ہر حکومت یہی کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے، اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساواتِ قانونی کا عمل رنگ موجود نہیں۔ خلفاء اور شاہانِ اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور عدالت کا فیصلہ سنتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساواتِ قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے۔ ہم اختصاراً اُن کو ترک کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

اسلامی معاشی نظام | اسلام کے معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ یا بالفاظ دیگر اسلامی اشتراکیت:

میں اشیاء مشترکہ | اسلام دین فطرت ہے۔ لہذا اس نے اپنے معاشی نظام میں ایسی اشیاء کو شخصی ملکیت سے مستثنیٰ کر کے مشترک عوامی ملکیت میں شامل کیا، جن کا تعلق انسانی جدوجہد اور انسانی سعی و عمل سے نہیں اور جن کی ضرورت سب عوام کو ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

علویات میں سے آفتاب و ماہتاب اور سفلیات میں سے پانی دریا کا ہو یا سمندر کا۔ آگ، گھاس، نمک، خشکی یا آبی شکار مشترک ہیں۔ (ابن ماجہ، ہدایہ، کتاب الخراج امام ابو یوسف)۔ ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ سب عوام کا حق متعلق ہے۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اور نہ حکومت عوام پر پابندی لگا سکتی ہے۔ الا اس صورت میں کہ عوام کو اس میں نقصان ہو۔ دریا میں سے ہر آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق ہے۔ نالی کھود کر کھیت سیراب کرنے کا بھی حق ہے۔ اس میں کشتی چلا کر پیسے کمانے کا بھی حق ہے۔ اس کے پانی میں مچھلی پکڑنے کا بھی حق ہے، خواہ دریا ہو یا سمندر۔ اسی طرح خود رو گھاس میں ہر آدمی کا حق ہے۔ خواہ خود کاٹے یا اگر مالک زمین کو ضرر ہو تو وہ خود کاٹ کر اس کے حوالہ کرے۔ اسی طرح پہاڑوں سے قدرتی نمک حاصل کرنا ہر آدمی کا حق ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔ زمینی، سمندری اور دریائی شکار پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ تمام عوام اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمندر سے جو جواہرات، عنبر وغیرہ نکلتے ہیں، وہ سب کا حق ہے۔ و فی الغایۃ فیما فی البحر لا یملک الامام ان یخص واحد اودون واحد۔ بادشاہ کا حق نہیں کہ سمندری اشیاء کو کسی کے لئے مختص کرے۔ (شرح ہدایہ)

مرا فق بلد | جو غیر مملوکہ زمین شہر سے باہر ہو لیکن شہر والوں کو اس کے جنگل میں سے جلانے کی لکڑی کی ضرورت ہو یا مویشی چرانے کی، ایسی زمین مشترک کہے گی تاکہ شہری ضرورت اس سے پوری ہو سکے۔ وہ موات کے حکم میں نہیں کہ کوئی ایک فرد اس پر قبضہ کرے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ حکومت اُسے کسی کو بطور جاگیر دے۔ وماکان خارج البلد من مرا فقہا و محتطبالاھلہا و مرعائہم

لا یكون مواتا فی لا یملک الامام اقطاعھا (عنا ۱۰ علی الرہدایۃ ج ۲ ص ۳۵)